ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کلام احمق کے فکری و فنی زاویے: ایک مطالعہ

A Study of Concepts and Art of Ahmaq's Poetry

رضوانہ بی بی، اسکالر پی ایچ ڈی (اردو)، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور
عطرت بتول، انسٹرکٹر، شعبہ اردو، راولپنڈی کیمپس، ورچوئل یونیورسٹی آف پاکستان۔

Rizwana Bibi, Scholar Ph.D (Urdu), SUIT, Peshawar.

Rizwana.phd289@gmail.com

Itrat Batool. Instructor, Department of Urdu, Rawalpindi Campus, VUP.

itrat.batool@vu.edu.pk

Abstract:

The period in which Ahmaq Phaphondvi started poetry was an important period of Urdu poetry. The beginning of the 20th century experienced the fusion of classicism and modernism. On one hand, poets like Dagh Delhvi, Amir Minai, Jalil Mangpuri, Riyaz Khairabadi were moving forward with the classical tradition, while on the other hand, Hali, Akbar, Iqbal were introducing new trends to Urdu poetry. There were followers of both traditions among the contemporaries of Ahmaq Phaphondvi. Hasrat Mohani, Wehshat Kolkatvi, Jigar Muradabadi, Asghar Gondvi were followers of classical trends, on the other hand Taraqi Pasnad Tehreek and Halqa Arbab e Zauq were initialized in this era too. Before that, Akbar Ilahabadi and Iqbal had introduced Urdu poetry with new terms, techniques and trends. Thus, the combination of classicism and modernism is seen prominently in the poetry of this era. In such a poetic scenario, proving oneself as a poet was a challenge. Ahmaq Phaphondvi accepted this challenge and proved his position well. In the article under review, an attempt has been made to highlight the prominent intellectual and artistic aspects of Kalam-e-Ahmaq.

Keywords: Ahmaq Phaphondvi, Dagh Delhvi, Amir Minai, Hali, Akbar, Iqbal

ملخص:

احمق پھپھوندوی نے جس دور میں شاعری کا آغاز کیا وہ اُردو شاعری کا اہم دور تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں کلاسیکیت اور جدیدیت کا انضمام نظر آتا ہے۔ ایک طرف داغ، امیر مینائی، جلیل مانک پوری، ریاض خیر آبادی جیسے لوگ کلاسیکی روایت کو لے کر آگے بڑھ رہے تھے تو دوسری طرف حالی، اکبر، اقبال اُردو شاعری کو نئے رجحانات سے متعارف کروا رہے تھے۔ خود احمق پھپھوندوی کے ہم عصر شعرا میں دونوں روایات کی پیروی کرنے والے موجود تھے۔ حسرت موہانی، وحشت کلکتوی، جگر مراد آبادی اور اصغر گونڈوی کلاسیکی رنگ میں رنگے ہوئے تھے جبکہ اس دور میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق کی داغ بیل بھی ڈال دی گئی تھی۔ اس سے قبل اکبر الہ آبادی اور اقبال اردو شاعری کو نئے تلازمات و اصطلاحات، تراکیب اور تلمیحات سے آشنا کروا چکے تھے۔ یوں اس دور کی شاعری میں کلاسیکیت اور جدت کا امتزاج نمایاں نظر آتا ہے۔ ایسے شعری منظر نامے میں کسی شاعر کا خود کو ثابت کرنا بجائے خود ایک چیلنج ہے۔ احمق پھپھوندوی نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اپنا مقام خوب متعین کیا۔ زیر نظر مقالہ میں کلام احمق کے نمایاں فکری و فنی زاویوں کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: احمق پھپھوندوی، داغ دہلوی، امیر مینائی، حالی، اکبر، اقبال

محمد مصطفی خان ۱۸۹۵ء میں پھپھوند میں پیدا ہوئے، احمق تخلص کیا اور اپنے علاقے کی نسبت سے احمق پھپھوندوی کہلائے۔ انہوں نے برصغیر کے سیاسی و سماجی تغیرات اور نوآبادیاتی عہد کا بذات خود مشاہدہ کیا اور یہ مشاہدہ ان کے کلام میں بھی بخوبی جگہ پاتا ہے۔ احمق پھپھوندوی کا دور انگریز کی غلامی کا دور تھا۔ برصغیر انگریز کے آگے سرنگوں تھا۔ یہاں کے لوگ انگریزوں سے آزادی کے متمنی تھے۔ معاشرتی سطح پر کشمکش جاری تھی اور اس کشمکش نے دنیائے شعر وادب کو بھی متاثر کیا۔ برصغیر کے شعرا انگریز کی غلامی سے نجات پانا چاہتے تھے۔ اکبر الہ آبادی نے اس تمنا کو اپنی شاعری میں مزاحیہ رنگ میں بخوبی نظم کیا۔ اکبر کے اتباع میں اقبال، ظریف لکھنوی اور احمق پھپھوندوی نے بھی ظریفانہ شاعری کی اور موضوع کی جدت و شدت کے ساتھ ساتھ ایسے فنی تجربے کیے جن سے پہلے برصغیر کے لوگ آشنا نہیں تھے۔ احمق پھپھوندوی کے ہاں بھی یہ فنی تجربے نظر آتے ہیں۔ احمق پھپھوندوی کی شاعری سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں انگریز کی ہر شے سے شدید نفرت تھی۔ وہ صرف انگریزوں سے ہی متنفر نہیں تھے بلکہ ان کی تضحیک کا نشانہ وہ لوگ بھی بنتے تھے جو انگریزوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے یا انگریزوں کے حامی تھے۔ چونکہ احمق پھپھوندوی کا تعلق کانگریس سے تھا اس لیے وہ عملی سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے اور اپنی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر انھیں جیل بھی جانا پڑا۔ یہ صورت حال بھی ان کے مزاحمتی رویے کی بنیاد بنتی ہے۔ احمق پھپھوندوی کا جو کلام دستیاب ہے اس میں وہ ایک مزاحمتی شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کی شاعری مزاحیہ ہو یا سنجیدہ، ان کا مزاحمتی رویہ بہر طور نمایاں رہتا ہے۔ برصغیر میں مزاحمت کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب انگریزوں نے یہاں کے ثقافتی مظاہر کو حقیر ثابت کرنا شروع کر دیا۔ یہاں کے لوگوں نے انگریزوں کے خلاف سیاسی مزاحمت بھی کی۔ سیاسی مزاحمت میں یہاں کے لوگوں نے جمہوری رویہ بھی اپنایا اور بھگت سنگھ وغیرہ کی طرح اسلحہ بھی استعمال کیا۔ مزاحمت کاروں میں شاعر بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ اکبر الہ آبادی، اقبال، چکبست، محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان نے اپنی شاعری کے ذریعے انگریزوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ ایسے ہی مزاحمتی شعرا میں ایک شاعر احمق پھپھوندوی بھی ہیں جنھوں نے انگریزوں کے خلاف اپنے قلم سے تلوار کا کام لیا۔ انھیں انگریز کے ہر عمل سے نفرت تھی اور وہ اس کا بھرپور اظہار لگی لپٹی بغیر کیا کرتے تھے۔ احمق پھپھوندی کی شاعری پر نوآبادیاتی نظام کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں کٹر قوم پرست (نیشنلسٹ) کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اگرچہ ان کے یہاں ظرافت بھی ہے اور سنجیدگی بھی تاہم وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس میں انگریز دشمنی واضح نظر آتی ہے۔ ان کی پانچ دستیاب کتابوں میں زندانِ حماقت، جوش و عمل، جذباتِ احمق، سنگ و خشت اور نقشِ حکمت شامل ہیں۔ زندانِ حماقت ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی اور اس کی تقاریظ مولانا سید عارف حسین ہسوی اور مولانا نذیر احمد خجندی نے تحریر کیں۔ آغاز میں احمق پھپھوندی خود لکھتے ہیں:

"یہ ایک مہمل سا نام ہے لیکن اس سے اچھا نام میرے ذہن میں کوئی نہیں آتا۔ اس میں دونوں خوبیاں موجود ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام احمق کا ہے اور یہ بھی ہے کہ جیل میں لکھا گیا ہے۔ والسلام"(۱)

اس کتاب کو مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کیا۔ اس کتاب میں تمام کی تمام غزلیں ہیں جو قید کے دوران میں لکھی گئی ایک غزل دیوبا پور تھانے کے حوالات میں تحریر کی گئی۔ بارہ اشعار پر مشتمل اس غزل کا مطلع یہ ہے:

یہی ہو گا یہی
ہوتا ہے ہر
زمانے میں
صدائے حق ہمیشہ گونجتی ہے جیل خانے میں

اور اس کا مقطع یہ ہے:

خدا جانے میاں احمق کہاں
ڈال آئے ہیں ڈاکہ
کہ آدھی رات سے جکڑے ہوئے بیٹھے ہیں تھانے میں(۲)

اس کے بعد سینٹرل جیل فتح گڑھ میں لکھی گئی غزلیں ہیں۔ احمق پھپھوندوی، ڈسٹرکٹ جیل آگرہ، سینٹرل جیل آگرہ، ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد، اور سینٹرل جیل لکھنؤ میں بھی قید رہے۔ انھوں نے کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ہر جیل کی تخلیقات علیحدہ کر دیں۔ اس کتاب کی زیادہ تر غزلوں کا مزاج ظریفانہ ہے تاہم جیل کی صعوبتوں کا بیان دراصل انگریز راج کے استبداد کا اظہار ہے جس سے احمق پھپھوندوی کی انگریزوں سے نفرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ احمق پھپھوندوی کی شاعری کا

غالب موضوع انگریز دشمنی ہے۔ وہ ان شدت پسند لوگوں میں سے تھے جو کسی صورت بھی انگریز کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اکبر الہ آبادی کی طرح وہ بھی مشرقی روایات سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ وہ انگریز کے خلاف ہی نہ تھے بلکہ وہ ان لوگوں سے بھی شدید نفرت کرتے تھے جو انگریز کی اندھا دھند تقلید میں مصروف تھے۔ وہ انگریز دشمنی میں اس قدر شدت پسند تھے کہ ہر بات لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیتے تھے۔ وہ انگریزوں کا نام لے لے کر انھیں برا بھلا کہتے تھے:

وہ لارڈ جارج ہوں ریڈنگ ہوں کرزن ہو یا چرچل
پیا ہے دودھ سب نے گلیڈسٹون کی ماں کا ہے(۳)

حسن عسکری اکبر الہ آبادی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اردو کو نئی علامتوں سے متعارف کروایا۔ اکبر الہ آبادی کی بدولت، مس، انجن، جمن، کونسل، بسکٹ، کیک جیسی نئی علامتیں ملی تو دوسری طرف شیخ جیسی کلاسیکی علامت کو نئے معنی دستیاب ہوئے۔ احمق پھپھوندوی بھی انگریزوں سے اپنی نفرت ظاہر کرتے ہوئے ان علامات کو استعمال کرتے ہیں۔ مولانا سعید احمد کا خیال ہے کہ احمق پھپھوندوی ایسا اکبر کی تقلید میں کرتے ہیں۔(۴) اکبر کی طرح احمق کے یہاں بھی ''مس'' جدید کلچر کی نمائندہ ہے جس کی تقلید کرنا انگریز دور میں لازم قرار پایا۔

وہ مس جناب شیخ سے کہہ دے جو ''کم ہیر''
سر پر ہوں پیر اور عمامہ
زمین پر (۵)

وہ اگر محبت بھی کرتے ہیں تو محبوب کی ستمگر فطرت کے اظہار کے لیے انگریز لیڈروں کا نام بطور علامت استعمال کرتے ہیں:

عاشق ناشاد سے وہ بت کرزن صفت
برسر پرخاش و جنگ دیکھیے کب تک رہے(۶)

وطن پرستی احمق پھپھوندوی کی شاعری کا اہم موضوع ہے۔ ان کی کتاب "جوش و عمل" میں شامل نظم 'حق و باطل' اس حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ مثنوی کی ہیت میں لکھی گئی یہ نظم حب الوطنی کے جذبے سے لبریز ہے۔ اس نظم میں وہ ایک طرف انگریز کے بطلان، غلبے اور کثیر اسباب کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف بتاتے ہیں کہ حق بظاہر بہت کمزور ہے۔ لیکن انہیں امید ہے کہ آخر فتح حق کی ہی ہو گی۔ اس نظم کے آخری چار شعر خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

اک طرف حلقوم خشک و دیدۂ نمناک تر
ایک جانب انگبین و شیر و برفاب و شکر
اک طرف اک بوند پانی چشمہ آب و حیات
ایک جانب قبضہ قدرت میں دریائے فرات
اک طرف اک لاشہ بے سر کمند دار میں
ایک جانب جشن شادی ہی کوچہ و بازار میں
سب یہ باتیں ہیں بظاہر حق کی قلت کا سبب
ہیں حقیقت میں مگر باطل کی ذلت کا سبب(۷)

احمق پھپھوندوی اپنی ایک نظم "کتاب عبرت" میں اہل ہند کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ ان بے برکتیوں کا اظہار کرتے ہیں جو غلامی کے سبب پیدا ہو جاتی ہیں۔ اہل وطن کو اکساتے ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالیں۔ "اہل حق" کی پہچان بھی ایسی ہی ایک نظم ہے جس میں شاعر ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہے جو وطن کی خاطر قربانی دینے کے جذبات رکھتے ہیں:

جرم ہو گی جب محبت ملک کی
وہ کرے گا کھل کر خدمت ملک کی
وہم آزادی بھی جب ہو گا گناہ
ہو گی آزادی سے اس کی رسم و راہ

ہو گی جب حب وطن وجہِ عتاب
وہ وطن کو دے گا درسِ انقلاب(۸)

احمق پھپھوندی خالص نیشنلسٹ تھے۔ان کے نزدیک وطن کی محبت دیگر تمام محبتوں سے افضل تھی۔وہ اپنی نظموں اور غزلوں میں وطن کی محبت کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔وہ ایک ایسے ہندوستان کا خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے ہیں جو کسی کا غلام نہ ہو۔ان کی ہر نظم وطن کی محبت اور آزادی کی خواہش سے لبریز ہے:

یا خدا دے ہم کو یورپ کے لٹیروں سے نجات
لوٹ ہی کر ورنہ چھوڑیں گے یہ غارت گر ہمیں
ان کی عیاری و کیاری کے نیچے سے نکال
پھانس رکھا ہے انھوں نے جال میں کس کر ہمیں
چھین کر ہم سے غلامی نے ہماری سب صفات
کر دیا ہے جانور سے بھی سوا بدتر ہمیں
وہ کمالات و ہنر ہیں اب نہ وہ خلق و ادب
پستیوں نے کر دیا زیر زمیں یکسر ہمیں
متحد ہو کر اگر دیتے ہم اپنے ملک میں
فتح کر سکتے تھے اربابِ ستم کیوں کر ہمیں (۹)

اس موضوع پر ان کی کئی نظمیں مختلف کتب میں موجود ہیں۔مثلاً حق و باطل،اہلِ حق کی پہچان،پیامِ وطن،اتفاق،حب وطن،ضرورت اتحاد،اتحادِ وطن،وطن کی بھلائی،جوہر حب وطن،ملک کی محبت،عشق وطن،دعائے ملک،پیامِ آزادی،ہماری آزادی،یوم آزادی،ملک اپنا آزاد کراؤ،خاکِ وطن،جوانانِ وطن،اے وطن وغیرہ۔ اردو میں شاید ہی کسی شاعر نے وطن کو موضوع بنا کر اس قدر شعر کہے ہوں جس قدر احمق پھپھوندوی کے ہاں موجود ہیں۔جس وقت احمق نے شعر گوئی کی اس وقت برصغیر کے لوگ وطن یا ریاست سے زیادہ سلطنت یا بادشاہ کے نام سے آشنا تھے۔بادشاہت میں عام آدمی کی وابستگی وطن سے زیادہ بادشاہت کے ادارے سے ہوتی ہے۔ یوں بھی 1920ء سے قبل دنیا میں جدید ریاستوں یا وطن کا تصور زیادہ ٹھوس شکل میں موجود نہیں تھا۔ان حالات میں اگر کوئی شخص وطن کو موضوع بنا کر شعر کہتا ہے تو یہ قابل غور بات ہے۔اسی لیے احمق پھپھوندوی کی شاعری نے اپنے عہد کے قارئین کو خاصا متاثر کیا اور لوگوں کو وطن کے نئے تصور سے روشناس کروایا۔ان کی شاعری نے عوام کے دلوں میں وطن سے محبت اجاگر کی اور غلام قوم کو آزادی کی راہ دکھائی۔اس ضمن میں ان کی شاعری کی اہمیت مسلم ہے۔احمق پھپھوندوی وطن کے وجود کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔انگریز سے خلاصی ان کی زندگی کا اولین مقصد ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو مسلم تنازع کی وجہ سے انگریز برصغیر میں قدم جمانے میں کامیاب ہوئے۔حکومت کی غلط پالیسیوں نے ہندوستانیوں کو انگریزوں کا غلام بنا دیا۔یہ حقیقت تھی کہ برصغیر کے لوگوں کو آزادی کے حصول کے لیے سنجیدہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اپنے اختلافات بھلا کر انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی ضرورت تھی۔اس حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احمق پھپھوندوی نے اپنی بہت سی نظموں میں ہندوستانیوں کو مل جل کر رہنے کی تلقین کی ہے۔مثال کے طور پر انہوں نے اپنی نظموں بعنوان آزادی اور ہم،،اتفاق،اچھے دن،ضرورتِ ایجاد،پھر ہم میں یا الٰہی کر اتحاد پیدا،دھرم و ایمان،شدھی و تبلیغ،خطاب بہ مسلم،آئین جدید وغیرہ میں اس قبیل کے افکار پیش کیے ہیں۔انگریز دور میں برصغیر میں رد عمل کی دو صورتیں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔رد عمل کا اظہار کرنے والوں میں ایک طبقہ وہ تھا جس کے نزدیک ہندوستانی ہونا زیادہ اہم تھا۔وہ ہندوستان کو اپنی بنیادی شناخت قرار دیتے،ذات پات اور مذہب کو بھی ثانوی شے سمجھتے۔ مسلمانوں میں اس کے داعی ابوالکلام آزاد،علمائے دیوبند کا بڑا طبقہ اور کانگریس سے وابستہ مسلمان مثلاً ڈاکٹر ذاکر جیسے لوگ تھے۔ہندوؤں میں زیادہ تر لوگ اپنی شناخت وطن کو ہی قرار دیتے تھے۔دوسرا طبقہ وہ تھا جس کے نزدیک بنیادی شناخت مذہب تھا۔ان لوگوں میں علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح جیسے لوگ اور ان کے مصاحب شامل تھے جو دو قومی نظریے کا پرچار کرتے تھے۔کانگریس کا دعویٰ تھا کہ برصغیر میں دو ہی قومیں ہیں ایک ہندو اور دوسرے انگریز جبکہ قائداعظم محمد علی جناح کا موقف تھا کہ برصغیر میں ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کانگریس کے خیال میں قوم وطن سے بنتی ہے جب کہ مسلم لیگ کے نزدیک قوم مذہب سے بنتی ہے۔احمق پھپھوندوی ان لوگوں میں سے تھے جو قوم کی بنیاد وطن کو سمجھتے تھے۔ایسے لوگوں کو عرف عام میں نیشنلسٹ کہا جاتا ہے۔یہ لوگ چاہتے تھے کہ ہندو مسلم اپنے تمام اختلافات فراموش کر دیں۔ان کا واحد مقصد انگریز سے آزادی ہونی چاہیے اور جس طرح مسلمان اور ہندو صدیوں سے اکٹھے رہ رہے ہیں آئندہ بھی اسی

طرح اکٹھے رہیں کیونکہ ان کے اختلافات کا فائدہ استعماری قوتوں کو ہو رہا ہے۔ احمق پھپھوندوی نے ہندو مسلم اتحاد کے حوالے سے جو نظمیں لکھیں ان میں "ملک کی محبت" ایک اہم نظم ہے جس میں وہ ملک میں رہنے والے تمام باشندوں کو وطن سے محبت کرنے اور آپس میں جھگڑے ختم کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

جسے ملک سے اپنے الفت نہیں
وہ دل قابل عفو و رحمت نہیں ہے
بڑی چیز ہیں اتحاد و محبت
بغیر ان کے دنیا میں عزت نہیں ہے
خدایا وطن کی محبت عطا کر
کہ اس کے سوا کوئی دولت نہیں ہے
یہ آپس کی ناچاقیاں ختم کر دو
کوئی اس سے بڑھ کر جہالت نہیں ہے
جو تعلیم دیتا ہے جنگ و جدل کی
کبھی مصلح ملک و ملت نہیں ہے
جو دکھتا ہے آپس میں بغض و عداوت
وہ ہر گز سزاوار عظمت نہیں ہے(۱۰)

احمق پھپھوندوی اکبر الہ آبادی سے بہت متاثر ہیں۔ اکبر کی طرح وہ بھی مشرقی روایات کے عاشق اور مغربی روایات کے ناقد ہیں۔ آپ مغربی روایات کو مشرق کے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ انگریزوں کی آمد سے برصغیر کی معاشرتی اقدر کو شدید دھچکا پہنچا۔ دراصل انسان جس ماحول کا حصہ ہوتا ہے اس کے حواس، بدن اور شعور اس ماحول سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ وہ غیر محسوس انداز میں اس میں جینا سیکھ لیتا ہے۔ اگر ماحول کو ایک دم سے تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے تو انسان مزاحمت کرتا ہے۔ احمق پھپھوندوی اس اعتبار سے بہت بڑے مزاحمتی شاعر ہیں۔ انھوں نے سیاسی میدان میں بھی مزاحمت کی اور ادبی میدان میں اپنی شاعری کو مزاحمت کا ہتھیار بنایا۔ اسی طرح انھوں نے سماجی سطح پر بھی بھرپور مزاحمت کی۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے برصغیر کی شرفا اور تمام مذاہب میں خواتین کے پردے کا نظام موجود تھا۔ انگریزوں کی آمد سے اس نظام میں خلل واقع ہوا اور اس خلل کو برصغیر کے شرفا نے شدت سے محسوس کیا اور اس پر ردعمل کا اظہار بھی کیا۔ احمق پھپھوندوی بھی انھی لوگوں میں سے ایک ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

بے باکی و عریانی تہذیب کا جوہر ہے
وہ ہے سو وہ فیشن ہے یہ ہے سو نیچر ہے(۱۱)

اور

تا بہ امکاں کوششِ تہذیب نسواں کیجیے
خود بھی عریاں ہوئیے ان کو بھی عریاں کیجیے(۱۲)

برصغیر کے بارے میں ایک مغالطہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگ تعلیم سے نابلد تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی اشرافیہ تعلیم میں بہت دلچسپی لیتی تھی۔ خواتین و حضرات دونوں میں پڑھنے کا رواج موجود تھا۔ نظام تدریس ضرور مختلف تھا مگر یہ نہیں تھا کہ یہاں کی خواتین پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ یہاں کی خواتین عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ بہت سی دستکاریاں بھی سیکھتی تھیں۔ انگریزوں نے جب یہاں آکر انگریزی زبان کو اہمیت دی تو وہ تمام لوگ غیر تعلیم یافتہ قرار پائے جو انگریزی زبان سے ناواقف تھے۔ ایسے میں جدت پسندوں کو موقع مل گیا کہ وہ برصغیر کے لوگوں کو بالعموم اور خواتین کو بالخصوص جاہل قرار دے ڈالیں۔ انگریزوں نے اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کے لیے ایک خاص قسم کا نظام تعلیم متعارف کرایا جو یہاں کے لوگوں کی ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتا تھا لہٰذا احمق پھپھوندوی سمیت بہت سے لوگوں نے اس کے خلاف مزاحمت کی:

ڈانس پر دختر کالج کی شکایت نہیں ٹھیک
عہد تہذیب میں اس قسم کی باتیں ہیں رکیک

عہد تہذیب کا ظاہر نہیں باطن دیکھو
جتنا روشن ہے یہ اس سے بھی سوا ہے تاریک(۱۳)

یہ حقیقت ہے کہ حکمران کبھی بھی محکوم طبقے کو اپنے برابر نہیں سمجھتے۔ حکومت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ محکوم طبقے کو احساس کمتری میں مبتلا رکھا جائے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ محکوم طبقے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جو خود کو حاکموں کے طبقے میں شامل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے کوئی بھی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہوتا ہے جو اپنی اصل سے کٹ جاتا ہے اور دوسری طرف حاکم طبقہ اسے اپنے برابر بٹھانے کو تیار نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کا یہ بھی مسئلہ ہوتا ہے کہ یہ غلامی کو برا نہیں سمجھتے۔ دوسرے لوگوں کو بھی غلامی اختیار کرنے پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ احمق پھپھوندوی اس قسم کے لوگوں کے شدید مخالف تھے اور ان پر کڑی تنقید کرتے تھے۔ مغرب پرستی کے حوالے سے "تہذیبِ جدید" احمق کی ایک اہم نظم ہے۔ اس نظم پر اکبرؔ اور اقبالؔ کے اثرات محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

تعلیم کا فیض ہے ہمہ گیر
تہذیب کی ہیں کشادہ راہیں
ہر سر میں ہے یہی ارتقا کا سودا
معمور ہیں سب امید گاہیں
شلوار کو ہے جنونِ سایہ
کیں ہیٹ نے برطرف کلا ہیں
آباد ہیں شیخ ہوٹلوں میں
ویران پڑی ہیں خانقاہیں
آنکھوں کو ہے شوقِ برق پاشی
ہر سمت سے اُٹھ رہی ہیں آہیں
تخریب کے واسطے کھلی ہیں
نیچر کی تمام شاہ راہیں
اُٹھے اے کاش جلد پردہ
مشتاق ہیں دیر سے نگاہیں(۱۴)

احمق پھپھوندوی صرف نظم میں ہی نہیں بلکہ اپنی غزل میں بھی مغرب پرستی پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب اپنے ساتھ جو کچھ لایا ہے، اس نے یہاں کے نوجوانوں میں بے عملی پیدا کر دی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

ملک و ملت کے لئے بے کار مرنا سیکھیے
بس سینما جایئے اور عشق کرنا سیکھیے
جنگ آزادی میں کیا ہے اے جوانانِ وطن
کالجوں میں بس یونہی بننا سنورنا سیکھیے (۱۵)

احمق پھپھوندوی کا دور انگریز حکمرانی و غلامی کا دور تھا۔ برِ صغیر کے وہ عوام جنھوں نے اس حکمرانی کو قبول نہیں کیا اور علمِ بغاوت بلند رکھا ایسے جانبازوں کو انگریز مظالم، تکالیف، اور قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ احمق پھپھوندوی بھی انہی میں سے ایک ہیں جنھوں نے قلم کے ذریعے جہاد کیا۔ انھوں نے نہ صرف انگریز بلکہ انگریز پرستوں پر بھی کڑی تنقید کی۔ اس سلسلے میں انھیں کئی بار جیل کاٹنی پڑی، لیکن اس دوران بھی انھوں نے کئی غزلیں اور نظمیں تخلیق کیں۔ مثال کے طور پر جیل خانے کو سسرال سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

جیل خانے میں ہوں سسرال کی مانند
کوئی تکلیف کوئی غم نہیں زنہار مجھے (۱۶)

احمق پھپھوندوی کی شاعری کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وہ محبِ وطن ہونے کے علاوہ ایک بہادر اور نڈر شاعر بھی ہیں۔ وہ انگریزوں پر کڑی چوٹ کرتے ہیں۔ غلامی کے بدلے وہ موت کو ہنس کر قبول کرنے والوں میں سے ہیں:

یہاں گلچیں کا کھٹکا ہے نہ کچھ صیاد کا ڈر ہے
قفس میں ہم کو اطمینانِ آزادی میسر ہے
غلامی نے ہمیں اس فیصلے پہ لا کے پہنچایا
کہ آزادی نہ ہو تو زندگی سے موت بہتر ہے(۱۷)

احمق پھپھوندوی کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو تلخی کے ساتھ ساتھ ہمیں خالص مزاح پر مبنی شعر بھی نظر آجاتے ہیں تاہم یہ رجحان غزل میں نمایاں ہے۔ نظم کی بات کی جائے تو وہاں خالص مزاح خال خال ہی نظر آتا ہے۔ ان کی زیادہ تر نظمیں وطن کی محبت، انگریز کی نفرت اور آزادی کی تڑپ سے معمور ہیں۔ تاہم غزلوں میں وہ کہیں کہیں ایسے شعر کہہ جاتے ہیں جو مسکراہٹ کا باعث تو بنتے ہیں، لیکن ان کا مقصد دل آزاری بہر حال نہیں۔ مذاق کا عام پیرایہ یہ ہے کہ اس میں کسی کا مذاق اڑا کر ہنسی کا امکان پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اصل ہنر مندی کی بات ہی یہ ہے کہ شائستگی کے ساتھ ایسی بات کی جائے کہ جس سے کسی خاص طبقے یا فرد کی دل آزاری بھی نہ اور سن کر چہرے پر مسکراہٹ بھی آجائے۔ مثلاً:

اب اے نگاہِ ناز یہ بمباریاں ہیں کیوں
دل سا حسین شہر تو مسمار ہو چکا (۱۸)

احمق پھپھوندوی کی شاعری کے فکری جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے ہاں غالب موضوع انگریز دشمنی اور مغربی تہذیب سے منافرت کا جذبہ ہے۔ دیگر موضوعات میں مقامی حکمرانوں سے رنجش، وطن پرستی، ہندو مسلم اتحاد شامل ہیں۔ علاوہ ازیں قید و بند کی صعوبتوں کے بیان سے ان کی شخصیت میں موجود حساسیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مزاح کے پیرائے میں بات کرتے ہوئے بھی وہ بے معنی شعر نہیں کہتے بلکہ الفاظ کے پیچھے مفاہیم کا ایک وسیع سلسلہ موجود ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں موجود متنوع افکار ان کے مشاہدے کی وسعت اور قادر الکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور یہ ثبوت ان کی شہرت کے دوام کے لیے سند ہے۔ فکری انضباط کے ساتھ ساتھ احمق کی شاعری کے فنی زاویے بھی اس قدر پختہ ہیں کہ اکبر جیسے قادر الکلام مزاح نگار کے مقابل ملتے ہیں۔ اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال پہلی بار اکبر الہ آبادی نے کیا اور اس کے بعد یہ رواج فروغ پانے لگا یہاں تک کہ عصرِ حاضر کی شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال معمول کی بات ہے۔ نظم تو ایک طرف اب تو غزل میں بھی انگریزی الفاظ کا استعمال بے تکلفی سے کیا جاتا ہے تاہم جس دور میں اکبر نے انگریزی الفاظ کا استعمال شروع کیا وہ آج کے دور سے بہت مختلف دور تھا۔ اُس وقت اردو شاعری مکمل طور پر کلاسیکی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کی بدولت اگرچہ موضوعاتی نظموں نے مقبولیت حاصل کی لیکن غالب رجحان کلاسیکی ہی تھا۔ ایسے دور میں زبانِ غیر کے الفاظ کا اردو شاعری میں مشاقانہ استعمال ایک نیا فنی تجربہ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ دونوں زبانوں کی ساخت میں نمایاں فرق ہے اور ایسے میں انگریزی زبان کا اردو شاعری میں اس طرح استعمال ہونا کہ شاعری کے لوازمات بھی برقرار رہیں اور مفاہیم و مطالب بھی ہاتھ سے نہ چھوٹیں، واقعی ایک فنی مہارت ہے۔ شروع شروع میں انگریزی الفاظ کا استعمال مزاح پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیگر شعرا نے اس رویے کو اپنا لیا۔ احمق پھپھوندوی نے بھی اپنی شاعری میں انگریزی الفاظ کا بخوبی استعمال کیا۔ اکبر کی طرح وہ بھی ان الفاظ کو مزاح پیدا کرنے کا حربہ ہی سمجھتے تھے۔ آپ اپنی شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال انگریز پرستوں پر تنقید کے لیے بھی کرتے ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

مرے مٹانے کا ٹھیکہ دیا ہے برٹش کو
فلک نے اور نیا اک شریکِ کار کیا(۱۹)

درج بالا قبیل کے اشعار میں احمق پھپھوندوی نے انگریزی الفاظ کا استعمال اس قدر مہارت سے کیا ہے کہ جس سے شعر کی عمومی فضا بھی برقرار رہتی ہے اور شعر کے مفاہیم بھی بالکل واضح رہتے ہیں۔ ساتھ ہی شعر گوئی کا مخصوص مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اردو شعر میں انگریزی زبان کے الفاظ کا اس قدر موزوں چناؤ کہ جس سے تمام مقاصد کما حقہ پورے ہو جائیں، یقینی طور پر شاعر کی زبانِ غیر کی بصیرت کا مظہر ہے۔ احمق پھپھوندوی اپنے کلام میں صرف خالص انگریزی الفاظ ہی استعمال نہیں کرتے بلکہ ان الفاظ میں اردو قواعد کے مطابق ردوبدل بھی کرتے ہیں ور اس طرح وجود پانے والی لفظیات قاری کو بے اختیار متبسم کر دیتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کجا مسجد کے مینارے کجا گرجا کی دیواریں
یہ گارے کی جڑائی اور وہ استحکام سیمنٹی

خدا جانے نے انھوں نے خواب کیا دیکھا کہ دنیا نے
بہت اچھی طرح سے دیکھ لی ان کی گورمنٹی
انھیں میری طرف سے خوب بھر لیں تار گھر والے
مجھے بھی دیکھنا ہے ایک دن ان سب کی ارجنٹی(۲۰)

درج بالا غزل کے تمام قافیے ہی انگریزی الفاظ کی توریدہیں۔ پارلیمنٹی، لفینٹی، جینٹی، رجمنٹی، سیمنٹی، گورمنٹی، ارجنٹی جیسے الفاظ پڑھ کر بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے اور یوں احمق پھپھوندی کی غایتِ شعر پوری ہو جاتی ہے۔ ایک اچھے ادیب میں یہ صلاحیت ضرور ہوتی ہے کہ وہ موقع محل کی مناسبت سے نئی تراکیب تراش لے۔ مزاحیہ شعرا کی اکثریت میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ جعفر زٹلی کے ہاں بھی نئی تراکیب جابجا نظر آتی ہیں۔ اکبر کے ہاں بھی یہی صورت حال نظر آتی ہے۔ احمق پھپھوندوی بھی اپنی سہولت کے لیے نئی تراکیب وضع کر لیتے تھے جس سے ایک طرف تو ابلاغ میں سہولت نظر آتی ہے اور دوسری طرف مزاح کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔ "دلِ آنز پرست" کی مثال ملاحظہ ہو:

اللہ ری حسرتیں دلِ آنز پرست کی
صاحب بہادروں کی بھی آفت میں جان ہے(۲۱)

ظریف شعرا دیگر فنون کی اصطلاحات کو بھی بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں اور اس طرح وہ شعر میں دیگر فنون کی اصطلاحات کی رعایت سے ایسے الفاظ جمع کر دیتے ہیں جو مزاح کا سبب بنتے ہیں۔ احمق پھپھوندوی بھی اس فن میں ماہر ہیں۔ وہ طب، سیاست، تجارت اور قانون کی اصطلاحوں کو بہ سہولت اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ رعایت لفظی کا لطف آ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر:

حدتِ صفرائے الفت توڑنے کے واسطے
خطمی ان کے خال اور عناب ان کے لب بنے(۲۲)

کلام میں ذو معنی الفاظ کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب ادیب کا مقصد بات کو گول مول انداز میں بیان کرنا ہو۔ طرح دار اور پہلو دار بات کرنے کے لیے ادبا کے ہاں ذو معنی الفاظ کا استعمال معمول ہے۔ ذو معنی الفاظ کے مقابل شاعری میں مستعمل ایک صنعت "ایہام گوئی" بھی ہے۔ ایہام میں بھی ایک لفظ کے دو مطلب ہوتے ہیں، ایک ظاہری مطلب جو فوراً سمجھ میں آ جاتا ہے اور دوسرا مطلب مخفی ہوتا ہے جو کافی غور و خوض اور تردد کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ ذو معنویت اور ایہام گوئی میں فرق یہ ہے کہ ذو معنی شعر میں جو دوسرا مطلب ہوتا ہے وہ پہلے سمجھ میں آتا ہے جبکہ پہلا اور عام مطلب بھی عام فہم ہی ہوتا ہے۔ ایہام گوئی میں دوسرا مطلب کافی غور کرنے کے بعد سمجھ آتا ہے۔ احمق پھپھوندوی بھی دیگر مزاحیہ شعرا کی طرح ذو معنی الفاظ کا استعمال بہت سلیقے سے کرتے ہیں اور ساتھ ہی رعایت لفظی کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

بال ہیں سر میں تو پھر کیسی متاع حسن دوست
گنج ہوتا ہے وہیں اکثر جہاں ویرانہ ہے(۲۳)

طنز نگار کا بنیادی مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کے ناسوروں پر طنز کے نشتر چلا کر ان سے موادِ فاسد خارج کرتا ہے۔ اس کا رویہ زندگی کے ساتھ ہمدردانہ ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ معاشرہ یا فرد اس کے طنز کی بنا پر اپنی خامیوں اور بیماریوں سے نجات حاصل کرے۔ طنز میں مزاح کی شیرینی اور حقائق کی تلخی کا امتزاج ملتا ہے جس کی بنیاد پر معاشرہ یا افراد اس کی تلخی کو شیرینی کی وجہ سے پسند کرتے ہیں۔ ایک طنز نگار اصل میں مصلح ہوتا ہے جو مزاحیہ انداز میں معاشرے کی تعمیر اور اصلاح پر کمر باندھتا ہے۔ احمق پھپھوندوی بھی ایسے ہی مصلح ہیں جو طنز کا استعمال بہت سلیقے سے کرتے ہیں۔ ان کے طنز کا نشانہ عام طور پر انگریز اور ان کے نقال بنتے ہیں۔ وہ تعریف کی آڑ میں ان پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ وہ اس فن کے بہت ماہر ہیں۔ انگریز دور میں اس بات کی ضرورت بھی تھی کہ بات ایسی کہی جائے کہ وہ سخت ہوتے ہوئے بھی قابل گرفت نہ ہو۔ احمق پھپھوندوی کی شاعری سے طنز کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

یہ ان کا بوٹ اور یہ میرے زخم ہائے سر
کیا خوب سر فروش وفا کو صلہ ملا
پرسش ہی اسپتال میں کب ہے غریب کی
اچھا ہوا کہ درد مجھے لا دوا ملا(۲۴)

کلاسیکی دور میں شاعر فن پر اپنی گرفت کو ثابت کرنے کے لیے نئے نئے قوافی تلاش کیا کرتے تھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی نئے قافیے کو شعر میں استعمال کرنا مشکل امر ہے۔ احمق پھپھوندوی اس کام میں بہت ماہر ہیں۔ وہ بلا جھجک نئے قافیے استعمال کرتے ہیں جن میں اکثر تو وہ انگریزی زبان سے مستعار لیتے ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

تو نے ارزاں ہو کے اے عشق زنخدان فرنگ
سیب جیسی چیز کو ہم نرخ شلجم کر دیا
اے نگاہ ناز جاناں اف تری بمباریاں
قصر دل کو تو نے تو قصر بکنگھم کر دیا
اور توسب زمرۃ اہل وفا میں آگے
اک مگر احمق، جسے اس بت نے کنڈم کر دیا(۲۵)

شاعری کی خوبی استعاراتی زبان میں بھی مضمر ہے۔ استعاراتی زبان استعمال کرنے سے شعر کے معنوی امکانات بڑھ جاتے ہیں، شعر میں عمومیت پیدا ہو جاتی ہے اور سطحی پن ختم ہو جاتا ہے۔ اردو غزل کلاسیکی ہو یا جدید دور کی غزل ہو، استعاراتی زبان ہر دور کی غزل کے لیے موافق و موزوں ہے۔ معنوی طرح داری کے ساتھ ساتھ استعاراتی زبان عبارت میں ادبی شان بھی پیدا کر دیتی ہے۔ جو لکھاری زبان کو استعاراتی رنگ میں رنگنے کا جس قدر ماہر ہوگا، اسی قدر بڑا فنکار سمجھا جائے گا۔ احمق پھپھوندوی کی شاعری میں استعاراتی رنگ بہت گہرا ہے۔ وہ کلاسیکی اصطلاحات مثلاً عدو، ناصح، زاہد، واعظ، محبوب، عاشق، ناوک وغیرہ کو لغوی معنی کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ احمق پھپھوندوی کی شاعری میں اصطلاحیں تو کلاسیکی استعمال ہوتی ہیں لیکن ان سے مراد انگریز اور اس کے جور و ستم ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان کے یہاں انگریز ظالم محبوب اور ہندوستانی مظلوم عاشق جبکہ ناصح سے مراد وہ کردار ہے جو لوگوں کو انگریز کی غلامی پر مائل کرتا ہے۔ رقیب سے مراد انگریز کا مراعت یافتہ طبقہ ہے۔ ایسی کلاسیکی اصطلاحیں استعمال کر کے وہ مزاحمت کے فرائض بھی سرانجام دے لیتے ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

ترس آتا ہے مجھ کو بھیڑیوں کی حق پرستی پر
پڑھاتے ہیں سبق بھیڑوں کو جب وہ آدمیت کا(۲۶)

شاعری میں تلمیح کے استعمال سے شعر کے معنوں میں وسعت اور حسن پیدا ہوتا ہے اور مطالعہ شعر کے بعد پورا واقعہ قاری کے ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ تلمیح بھی استعاراتی تکنیک ہی ہے تاہم اسے علیحدہ سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ تلمیح سے مراد ایسی ترکیب، اصطلاح یا لفظ ہے جس کے پس منظر میں کوئی تاریخی واقعہ موجود ہو۔ احمق پھپھوندوی اپنے کلام میں جابجا تلمیحات کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں تلمیح کے استعمال کا نمونہ ملاحظہ ہو:

تیرے صدقے میں 'کو ایجوکیشن'
گرم شیریں ہے پہلوئے فرہاد(۲۷)

احمق پھپھوندوی کانگریس سے تعلق رکھتے تھے اور انگریز سے شدید نفرت کرتے تھے۔ یہ دور مسلسل کشمکش کا دور تھا اور ایک ٹکراؤ کی سی کیفیت نظر آتی ہے۔ کلاسیکیت کی جگہ جدت لے رہی ہے۔ کچھ لوگ کلاسیکی روایات کو بچانے میں مصروف ہیں تو کچھ جدیدیت کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ یوں متضاد قومیں سر گرم عمل ہوتی نظر آتی ہے۔ احمق کے یہاں شاعری میں متضاد قوتوں کی کشمکش اپنا اثر دکھاتی ہے۔ یہ کشمکش ان کی شاعری میں صنعت تضاد کی شکل میں نظر آتی ہے۔

تاریخ نے یہ نکتہ قوموں پہ کیا واضح
جو عیش بقا چاہے سیکھے وہ فنا ہونا
ہم تیرے تقدس کے قابل تو نہ تھے زاہد
اب آنکھ سے دیکھا ہے بندے کا خدا ہونا(۲۸)

کسی تحریر کے ادبی رنگ کو تاثیر بخشنے میں تشبیہات کا بہت اہم کردار ہے۔ احمق پھپھوندوی بھی اپنی شاعری میں جابجا تشبیہات کا استعمال کرتے ہیں۔

تری کمر کا پتہ مر ہی کے ملے تو ملے
کہ اب بے نشان ہے وہ بھی رہِ عدم کی طرح
ہمارے طالع برگشتہ کے بھی بل آخر

نکل گئے ترے گیسو کے پیچ و خم کی طرح(۲۹)

اور

کر دیا لاکھوں کو زخمی جس طرف پھیر ی نگاہ
تیرا ابرو بھی حقیقت میں ہے خنجر کا جواب
فتح گڑھ کا جیل یاد آتا ہے تجھ کو دیکھ کر
عارض خوشرنگ تیرے ہیں ٹماٹر کا جواب(۳۰)

پھبتی کا تمام تر تعلق تشبیہ سے ہوتا ہے۔اس میں مضحک تشبیہات کے ذریعے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھبتی کا ہدف معین ہوتا ہے۔اس میں کسی قسم کی اصلاح کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا بلکہ ہنسانا مقصود ہوتا ہے۔احمق پھپھوندوی کے ہاں چونکہ تلخی بہت ہے اس لیے وہ بھی انگریزوں اور اُن کی نقالی کرنے والوں پر پھبتیاں کستے ہوئے نظر آتے ہیں۔مثالیں ملاحظہ ہوں:

بس وہی صورت،وہی نقشہ، وہی وضع و تراش
تو سراپا ہے بلا تشبیہ بندر کا جواب(۳۱)

مزاح نگار جب دو اشیاء،افراد، یا کیفیتوں کا موازنہ کرتے ہیں تو ایسی مماثلت تلاش کر لیتے ہیں جو عام انسان کی نظر سے اوجھل ہوتی ہے۔احمق پھپھوندوی بھی بظاہر دو مختلف چیزوں میں مماثلت تلاش کر لیتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد مزاح پیدا کرنا ہے۔احمق پھپھوندوی کی شاعری میں مماثلت کے ساتھ ساتھ موازنے کی بھی عمدہ مثالیں موجود ہیں،ملاحظہ ہو:

اس قدر خوش ہیں میاں احمق کہ جس کی حد نہیں
جیل خانہ ان کو گویا خسر کا گھر ہو گیا(۳۲)

احمق پھپھوندوی اپنے اشعار میں ضرب الامثال کو بہت مہارت سے استعمال کیا ہے اور یہ مہارت ہر شاعر کے حصے میں نہیں آتی۔ان کی شاعری میں سے ضرب الامثال کے استعمال کی چند مثالیں پیش ہیں:

کیا کیا رہی ہے ان سے خلوت تصوروں میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

بلی نے چھیچھڑوں کے دیکھے ہیں خواب کیا کیا (۳۳)

اور

بھلا دیکھوں تو وہ کیونکر نہ مانیں گے مرا کہنا
مثل مشہور ہے لکڑی کے پھل بندر نچاتے ہیں (۳۴)

کلاسیکی شعرا روزمرہ اور محاورے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ احمق پھپھوندوی نے اگرچہ اپنی شناخت بطور ظریف شاعر بنائی ہے تاہم ان کی شعری تربیت کلاسیکی ماحول ہی میں ہوئی اس لیے ان کے ہاں بھی محاورہ کا استعمال عام ہے۔ مثال پیش ہے:

الو بنا چکے وہ دل سادہ لوح کو
اب وہ خلوص مہر و وفا کی نظر کہاں (۳۵)

احمق پھپھوندوی اپنے کلام میں جہاں مزاح پیدا کرنے کے لیے باقی حربے استعمال کرتے ہیں، وہاں وہ ظریفانہ توجیہہ کے ذریعے اپنے کلام میں ظریفانہ رنگ کو مزید گہرا کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ظریفانہ توجیہ سے جہاں ایک طرف مزاح کا پہلو نمایاں ہوتا ہے تو دوسری طرف شعر میں کہی گئی سنجیدہ بات بھی واضح ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

روز تھے ڈنڈے بکری پر، ہر وقت تھا قصابوں کا خوف
چھوٹ گئی ہر فکر سے، کیا یہ بھیڑیے کا احسان نہیں (۳۶)

الغرض احمق پھپھوندوی نے اپنی شاعری میں مزاح کو بھونڈے طریقے سے پیش نہیں کیا بلکہ مزاح کی پیشکش میں شعری فضا اور شاعری کے فنی لوازمات پر بھی پوری پوری توجہ دی ہے۔ ان کی شاعر میں فنی لوازمات کا اس قدر مشاقانہ استعمال ان کی قادر الکلامی اور زبان و بیان کی پختگی کا مظہر ہے۔ روایتی سنجیدہ شاعری میں تو کلاسیکی اندازِ بیان کی جھلک معمول ہے لیکن مزاحیہ شاعری میں کلاسیکی انداز کو برقرار رکھنا حیران کن امر ہے جسے احمق پھپھوندوی نے بخوبی روا رکھا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمق پھپھوندوی، اسیر قید فرنگ، از ستم کدہ آگرہ، ۱۳ مارچ، ۱۹۲۲
۲۔ احمق پھپھوندوی، زندانِ حماقت، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۲۲، ص: ۹
۳۔ احمق پھپھوندوی، سنگ و حشت، دانش محل فیض گنج، دہلی، س ن، ص: ۶۳
۴۔ سعید احمد، نقشِ حکمت، انصاری پریس، دہلی، ۱۹۴۴، ص: ۱۱
۵۔ احمق پھپھوندوی، جذبات احمق، دار الاشاعت احمقات، ۱۳۴۲ ہجری، ص: ۲۰
۶۔ ایضاً، ص: ۱۴
۷۔ احمق پھپھوندوی، جوش و عمل، جید برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۹، ص: ۲۶
۸۔ ایضاً، ص: ۲۹
۹۔ احمق پھپھوندوی، نقشِ حکمت، ص: ۶۵۔۶۶
۱۰۔ احمق پھپھوندوی، جوش و عمل، ص: ۲۹۔۳۰
۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۱۳
۱۲۔ احمق پھپھوندوی، سنگ و حشت، ص: ۲۹۰
۱۳۔ احمق پھپھوندوی، نقش حکمت، ص: ۲۸۴۔۲۸۵
۱۴۔ ایضاً، ص: ۶۶
۱۵۔ ایضاً، ص: ۳۳۳
۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۷
۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۹

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

۱۸۔ایضا،ص:۲۰

۱۹۔ احمق پھپھوندوی،سنگ وخشت،ص:۲۵

۲۰۔احمق پھپھوندوی،جذبات احمق،ص:۲۲

۲۱۔احمق پھپھوندوی،زندانِ حماقت،ص:۱۴

۲۲۔ احمق پھپھوندوی،جذبات احمق،ص:۳۸

۲۳۔ایضاً،ص:۳۱

۲۴۔ احمق پھپھوندوی،سنگ وخشت،ص: ۱۹

۲۵۔ایضاً،ص:۶

۲۶۔ایضاً،ص:۱۰

۲۷۔ایضاً،ص: ۸۳

۲۸۔ ایضاً،ص: ۵۸

۲۹۔ایضاً،ص: ۷۹

۳۰۔ایضاً،ص: ۶۶

۳۱۔ ایضاً،ص: ۶۷

۳۲۔ایضاً،ص: ۲۱

۳۳۔ایضاً،ص: ۵۹

۳۴۔ ایضاً،ص: ۱۹۸

۳۵۔ایضاً،ص: ۱۷۱

۳۶۔ایضاً،ص: ۱۹۶